ڈاکٹر محمد فرقان سنبھلی *

کیا "ایک قطرۂ خون" تاریخی ناول ہے؟

Abstract: *Over the past centuries, the tragic event of Karbala and all the happenings around it have been interpreted and explained in a variety of ways. Different people have brought different points of view, based on their own inclinations, to the discussions around it. Repeated narrations have tended to focus and lay emphasis on different aspects of the entire incident, thus sometimes unearthing hitherto unknown facets and sometimes bringing into focus elements which were earlier only partially visible.*

Inspired by her childhood memories of attending religious gatherings commemorating the event, acclaimed writer Ismat Chughtai wrote a novel titled 'EkQatra-e-Khoon' based on the ultimate sacrifice by Imam Hussain. Ismat is a writer of great stature in the world of Urdu literature, however this particular novel of hers leaves a lot be desired and does not impress at all as far as the intrinsic artistic value of the work is concerned. Going through the novel, one feels as if the writer was hell bent on disguising a religious novel under the garb of a historical account. Neither have the characters been etched in their entirety and nor has the significance of the topic been brought out fully. There is a stark absence of logical sequencing in the events described in some places. A major criticism against the novel is that Imam Hussain's character has been portrayed in a manner which suggests that he craved for the caliphate and took pains to highlight the sacrificial nature of his tragic predicament. Going against all the conventions of a historical novel, Ismat seems to have written 'Ek Qatra-e-Khoon' with a religious, and in some places purely sectarian, point of view; disregarding the historical account of the event and instead using traditional religious recounting as sources to base the novel on.

Primarily owing to these reasons, not only does the novel fail to serve any purpose as a historical novel, in fact the standing of Ismat Chughtai as a writer of balanced and objective novels takes a substantial beating.

عبدالحلیم شرر نے اردو میں تاریخی ناول نگاری کی جو داغ بیل ڈالی تھی اس نے ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے عصمت چغتائی کے ناول "ایک قطرۂ خون" تک پہنچ کر نئے مباحث کے در وا کیے ہیں۔ چودہ سو سال قبل میدان کربلا میں جو تاریخ ساز جنگ لڑی گئی اس کو مرثیوں، رزمیوں اور نہ جانے کتنے روپ میں مختلف تفصیلوں اور تاویلوں کے ساتھ بیان کیا جاتا رہا ہے۔ ہزاروں مرتبہ دہرائے جانے کے باوجود واقعہ کربلا کے توسط سے نئی حیرتوں اور حقیقتوں کی دریافت کی جاتی رہی ہے۔ بچپن میں سنی مجلسوں سے متاثر ہو کر عصمت چغتائی نے حضرت امام حسینؓ اور ان کے ۷۲ جاں نثار ساتھیوں کی عظیم قربانیوں کو ناول "ایک قطرۂ خون" کے ذریعے بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

* ویمن کالج، اے۔ ایم۔ یو، علی گڑھ۔ ۲۰۲۰۰۲ یوپی، ہندوستان۔

عصمت چغتائی نے اس ناول کو تحریر کرنے کی وجہ تسمیہ کچھ اس طرح بیان کی ہے:

"یہ ان بہتر ۷۲ انسانوں کی کہانی ہے جنھوں نے انسانی حقوق کی خاطر سامراج سے ٹکر لی۔ یہ چودہ سو سال پرانی کہانی آج کی کہانی ہے کہ آج بھی انسان کا سب سے بڑا دشمن انسان کہلاتا ہے۔ آج بھی انسانیت کا علمبردار انسان ہے۔ آج بھی دنیا کے کسی کونے میں کوئی یزید سر اٹھاتا ہے تو حسین بڑھ کر اس کی کلائی مروڑ دیتے ہیں۔ آج بھی اجالا، اندھیرے سے برسرِپیکار ہے۔" (۱)

"محرم کی دھوم دھام کے پیچھے جو المیہ پوشیدہ تھا مجھے سوچنے پر مجبور کرتا تھا کہ دنیا میں کتنے ہی تہوار منائے جاتے ہیں جیسے دسہرہ یا کرسمس لیکن دنیا میں صرف محرم ہی ایسا تہوار ہے جو معصوموں پر ہونے والے مظالم کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ مرثیہ سن کر میں بے حد متاثر ہوا کرتی تھی۔ میں نے انیس کے مرثیے پڑھے۔ مجلسوں میں پورے خلوص سے شرکت کی۔ غمِ حسین میں مجھے دنیا کے مظلوموں کا عکس نظر آیا اور ایک دل سوز کہانی ملی۔ اس کتاب کو لکھنے کے لیے میں نے زندگی سے بھی کانٹے اور زخم چنے اور امام حسین پر جو بیتی اسے صرف پڑھا ہی نہیں محسوس بھی کیا میں نے غمِ حسین کو مشعلِ راہ بنا کر ایک قطرۂ خون لکھی"۔(۲)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے انیس کے مراثی کو بنیاد بنا کر اسے نثری شکل میں قلم بند کیا ہے۔ یوں تو عصمت چغتائی کی فکشن نگاری پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور اس پر طویل بحثیں بھی سامنے آتی رہی ہیں لیکن ناول' ایک قطرۂ خون' کے تعلق سے جس طرح کی بحثیں وجود میں آئی ہیں انھوں نے عصمت چغتائی کے فن ناول نگاری پر سوالیہ نشان قائم کر دیے ہیں۔

کتابی دنیا دہلی کے زیر اہتمام سال ۲۰۰۰ء میں 'ایک قطرۂ خون' شائع ہوا تھا۔ اس ایڈیشن میں پرنٹ صفحے پر اسے "تاریخی ناول" لکھا گیا ہے۔ ۳۳۲ صفحات پر مشتمل اس ناول میں حضرت امام حسینؓ کی پیدائش سے لے کر شہادت تک اور پھر ان کے خاندان کے بچے افراد کو یزید کے دربار تک پہنچائے جانے کا بیان ۲۶ عنوانات میں تقسیم کر کے کیا گیا ہے۔ یزید کی موت کے ساتھ ناول کا اختتام ہو جاتا ہے۔ ناول کا عنوان "ایک قطرۂ خون" رکھنے کی وضاحت متن میں ہی موجود ہے:

"جب تک رسولؐ خدا کے خون کا ایک قطرہ بھی زندہ ہے یزید کو اس کی طرف سے خطرہ محسوس ہوتا رہے۔ میرے بعد جو ہونا ہے ہوگا۔" (ص ۹۴)

مشہور نقاد جارج لوکاچ (۳) کا کہنا ہے کہ ناول نگار کو تاریخ میں اپنے طور پر کانٹ چھانٹ کیے بغیر ناول لکھنا چاہیے۔ وہ مانتا ہے کہ تاریخی واقعات خود اپنے آپ میں افسانویت رکھتے ہیں ماہر ناول نگار بغیر واقعات میں تبدیلی کیے ہی سچ کو فن کارانہ ڈھنگ سے پیش کر سکتا ہے۔ اتفاق یہ ہے کہ عصمت چغتائی نے "ایک قطرۂ خون" کو کچھ اسی نہج پر لکھنے کی کوشش کی ہے۔

پروفیسر علی احمد فاطمی نے اپنے تحقیقی مقالے میں لکھا ہے:

"تاریخی ناول، تاریخ اور ناول دونوں کی کمیوں کو اپنے اندر جذب کر کے آگے بڑھتا ہے جہاں تاریخی حقائق کی روشنی ہوتی ہے ناول نگار آسانی سے بڑھتا چلا جاتا ہے جہاں اندھیرا ہو افکشن اپنی شعاعوں سے اسے منور کرنے لگتا ہے۔ فوراً حقائق پھر سامنے آجاتے ہیں۔ لیکن اس کو فن کارانہ ڈھنگ سے پیش کرنا ناول نگار کا کام ہے۔" (۴)

عصمت چغتائی نے متعدد مقامات پر فکشن نگار کے لیے دی گئی اس آزادی کا استعمال کرنے کی کوشش نہیں کی جس سے واقعات کا تسلسل تاریخی اندھیرا چھانے پر تخیل کے ذریعے قائم رکھا جاسکتا تھا۔ سوال قائم ہوتا ہے کہ کہنہ مشق فکشن نگار ہونے کے باوجود عصمت چغتائی نے تاریخی واقعات پر چھائی دھند کی وجہ سے پیدا ہوئے خلا کو پُر کرنے کی شعوری کوشش کیوں نہیں کی؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ عصمت اس واقعہ کو تاریخی کی جگہ مذہبی یا مسلکی واردات سمجھ کر ناول میں بیان کرنا چاہتی تھیں اور گمشدہ کڑیوں کو ملانے کے لیے تخیل کی اختراع کو ٹھیک نہیں سمجھتی ہوں؟ تب سوال قائم ہو جاتا ہے کہ "ایک قطرۂ خون" کو مذہبی یا مسلکی ناول کہا جائے یا پھر تاریخی ناول؟

ناول کی قرأت سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ کربلا کو عصمت چغتائی نے ایک مخصوص مسلکی نقطہ نظر سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے واقعات کو جس نہج پر ترتیب دیا ہے اس سے متن میں مرثیہ کے سراپا، رجز، رزم، بین وغیرہ اجزائے ترکیبی کی طرف توجہ مبذول ہو جاتی ہے اور متن نثری مرثیہ کی کیفیت اختیار کرتا معلوم ہونے لگتا ہے۔ تاریخی ناول نگار کی ذمہ داریاں بے حد نازک اور باریک ہوتی ہیں۔ اسے بیک وقت "ناول نگار" اور "مورخ" کی ذمہ دار نبھانی ہوتی ہے۔ اسے قدم قدم پر اس بات کا خیال رکھنا ہوتا ہے کہ ناول کے فن اور تاریخ میں مطلوبہ توازن قائم رہے۔ متن کی قرأت سے واضح ہوتا ہے کہ عصمت چغتائی نے مورخ بننے کی کوئی شعوری کوشش نہیں کی ہے۔ انھوں نے ناول کے پلاٹ کو مخصوص مسلکی فکر سے اخذ کر کے اسی کے سانچے کو بھی مستعار لے لیا ہے۔ سوال یہ اٹھتا ہے کہ کچھ اہم واقعات کی تفصیل مع ہجری سنہ کے بیان کر دینے سے تاریخی ناول قرار دیا جاسکتا ہے؟

عصمت چغتائی نے واقعات کو غائب ہمہ داں راوی کے ذریعے بیان کیا ہے کئی جگہوں پر واقعات کے درمیان منطقی ربط نہ ہونے سے ایک خلا کا احساس ہوتا ہے۔ مثلاً مسلمؓ بن عقیل کے دو بیٹے کوفہ میں ہیں یہ کسی کو پتہ نہیں ہے:

"ان کے دونوں بچے قاضی شریح کے یہاں پناہ گزیں تھے۔ انھوں نے سوچا نہ ان کا کسی کو پتہ ہے اور نہ بچوں سے کسی کو پرخاش ہوگی۔ انھیں وہاں حفاظت سے رہنے دیا جائے۔" (ص ۱۱۱)

بعد میں جب مسلمؓ بن عقیل کو قتل کیا جاتا ہے تو اس سے قبل "لیلیٰ" اچانک انھیں بچانے آجاتی ہیں اور ان کو بھی قتل کر دیا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ انھیں کیسے پتہ لگا کہ مسلم بن عقیل کہاں ہیں اور ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟ پھر ان کے بچوں کی تلاش ایک دم کیسے شروع ہوگئی کہ ان کے بارے میں کسی کو پتہ تک نہ تھا۔ اس سے بھی عجیب یہ کہ انعام کے لالچ میں ایک شخص مسلم بن عقیل کے بیٹوں کو ابن زیاد کے پاس لے جاتے ہوئے خود اچانک انھیں قتل کر دیتا ہے۔ جب حکم زندہ لانے کا تھا اور انعام بھی زندہ لانے والوں

کے لیے تھا تو وہ بچوں کو کیوں قتل کر دیتا ہے کچھ پتہ نہیں لگتا؟ اسی طرح سفر میں امام حسین کے سیاہ کپڑے پہننے کا ذکر تو کیا جاتا ہے مگر اس کا جواز کہیں پتہ نہیں لگتا۔ حضرت امام حسین یوم عاشورہ پر حضرت قاسم کی شادی کب اور کن حالات میں کرتے ہیں اور ایسے جنگی حالات میں ان کے سہرے اور مہندی کی رسمیں کب اور کس طرح عمل میں آئیں اس کا بھی کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ سوائے اس کے کہ ان کا ذکر مرثیوں میں ہوتا ہے لیکن تاریخ میں ان کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ حضرت قاسم کی شہادت کے بعد جب حضرت امام حسینؓ اپنی بیٹی اور بقول عصمت چغتائی "ایک شب کی دلہن" کبریٰ کو شوہر حضرت قاسم کی زیارت کے لیے بلانا چاہتے ہیں تو اندر سے سکینہ کی چیخ سنائی پڑتی ہے:

"بابا کبریٰ اللہ کو پیاری ہو گئیں ان کا دم نکل گیا۔" (ص۲۱)

حیرت تب ہوتی ہے جب عصمت چغتائی ایک دم ہی کبریٰ کو دولہا حضرت قاسم کی لاش کے سامنے پہنچا دیتی ہیں اور وہاں ان سے بے حد جذباتی مکالمے ادا کراتی ہیں جو کہ مرثیوں سے ہی اخذ کیے معلوم ہوتے ہیں۔ واضح رہے کہ عصمت چغتائی ناول کے فن سے پوری طرح واقف تھیں اور ایک ناول لکھ رہی تھیں جس میں تمام واقعات کے منطقی ربط کا حساب دینا ہی پڑتا ہے۔ یہاں گنجائش تھی کہ وہ درآمدہ خلا کو اپنے تخیل کے ذریعے پُر کر سکتی تھیں جن کو مرثیوں یا تاریخ میں واضح نہیں کیا گیا ہے۔ تو کیا عصمت نے مذہبی یا کہیں مسلکی تقدس کے لحاظ میں یہ اجتناب برتا؟

تاریخی ناول میں کردار نگاری کے ذیل میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ کرداروں کی تاریخی اہمیت اور اس کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے۔ ایک قطرۂ خون میں حضرت امام حسینؓ اور حضرت زینبؓ مرکزی کردار ہیں جب کہ حضرت علیؓ کی شخصیت کے سب سے مضبوط شجاعت کے پہلو کو نظر انداز کر کے ان کی خانگی زندگی کے پہلو کو ابھارنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حضرت علیؓ کو بیوی سے ڈرنے والے ایسے سخی شوہر کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس میں عصمت کی کیا مصلحت تھی خدا بہتر جانے۔ واقعہ کربلا کے سب سے منفی یزید کے کردار کو ابھارنے کی جگہ امیر معاویہ پر فوکس کیا گیا ہے اور انھیں یزید سے بڑا ولین بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ یزید کی تو بطور کردار ناول میں آمد بھی ۳۰۵ صفحات گزرنے کے بعد ہوتی ہے۔ تاریخ کے مطالعے سے امیر معاویہؓ اور یزید کے کرداروں کا تضاد سامنے آجاتا ہے ایسے میں "ایک قطرۂ خون" میں ان دونوں کرداروں کی پیش کش پر سوال اٹھنا لازمی ہیں۔ واقعہ کربلا کے ایک اور منفی کردار ابن زیاد کا تعارف اس جملے کے ساتھ کرایا گیا ہے:

"ابن زیاد نے ایک اور چال چلی" (ص۱۰۹)

اس سے پہلے اس نے کون سی چال چلی تھی یہ پردۂ خفہ میں ہی ہے۔ ابن زیادہ کی شخصیت کا تضاد دیکھیے کہ وہ ایک طرف تو مسلم بن عقیل کے بچوں کے کٹے سر دیکھ کر لرزنے لگتا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگتے ہیں جب کہ دوسری طرف یہ حضرت امام حسین اور ان ساتھیوں کے کٹے سروں کا نہ صرف جلوس نکلواتا ہے بلکہ اسے یہ خیال بھی پریشان نہیں کرتا کہ یہ دین کی کن عظیم ہستیوں کے رشتہ دار ہیں۔

حضرت امام حسینؓ کے مرکزی کردار کی پیش کش میں مرثیوں جیسا زور پیدا کرنے کی کوشش میں عصمت چغتائی نے ان سے ایسے ایسے مکالمے ادا کرائے ہیں کہ تاریخ شاید ہی ان کا ساتھ دے سکے۔ کیا حضرت امام حسینؓ خلافت چاہتے تھے؟ اس سوال کا جواب امیر معاویہ اور حضرت امام حسینؓ کے درمیان ہوئی ملاقات کے مندرجہ ذیل مکالموں سے اخذ کیا جاسکتا ہے:

امام حسینؓ امیر معاویہ سے کہتے ہیں۔"

تمھیں اپنے بیٹے کے سوا اگر کوئی نظر نہیں آتا تو یہ تمھاری آنکھوں کا فتور ہے۔"

امیر معاویہ کو غصہ آنے لگا مگر زبردستی مسکرائے

تم ہی کہو اور کون اس لائق ہے؟

میرے کہنے کا کیوں انتظار کرتے ہو آزاد انتخاب ہو جانے دو۔ خود ہی پتہ چل جائے گا کہ تمھارے بیٹے سے بہتر کوئی ہے یا نہیں؟

میں سمجھ گیا تمھارا اشارہ خود اپنی ذات کی طرف ہے۔

اگر ہو بھی تو اس میں ایسی اچنبھے کی کون سی بات ہے۔ ملک اور قوم کی خدمت کی صلاحیت مجھ میں یزید سے زیادہ ہی ہو گی۔ مگر تم ڈرتے ہی کیوں ہو۔

عوام کا فیصلہ مناسب ہی ہو گا۔ (ص ۷۳)

عصمت چغتائی نے حضرت امام حسینؓ کے کچھ ایسے مکالمے بھی ناول میں پیش کیے ہیں جس سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کہ وہ اپنی شہادت کو عظیم تاریخی واقعہ بنانے اور اسے تاریخ میں سنہری الفاظ میں درج کرانے کے لیے بے حد پریشان تھے۔ مثلاً یہ مکالمے ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ میں یوں گم نامی کی موت نہیں مرنا چاہتا۔ میرے قاتلوں کو دنیا دیکھے گی اور پہچانے گی۔ (ص ۱۹۳)

۲۔ قتل حسینؓ قتل حسینؓ ہو گا۔ اسے کسی حادثے یا بھول چوک کی آڑ میں نہیں چھپانے دیا جائے گا۔ (ص ۱۴۳)

۳۔ ہاں! میں چاہتا ہوں قتل حسینؓ کے جتنے زیادہ گواہ ہوں اتنا ہی اچھا ہے۔ (ص ۱۴)

۴۔ میں تو بس اتنا چاہتا ہوں کہ جو کچھ میرے ساتھ ہوا ہے زیادہ سے زیادہ انسان دیکھیں۔ (ص ۱۴۶، ۴)

ناول میں زبان و بیان کی بڑی اہمیت ہوتی ہے اور تاریخی ناول میں اس کی اہمیت غیر معمولی ہو جاتی ہے۔ پروفیسر بیٹر فیلڈ کا کہنا ہے کہ جس طرح نظم کے لیے اچھی دھن کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح تاریخ کو ناول کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے اچھی زبان کی ضرورت ہوتی ہے۔ الفاظ کی دروبست اس کا صحیح استعمال، لب ولہجہ اور ظاہری و باطنی چمک دمک ناول کی ترسیل میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ عصمت چغتائی نے بیسویں صدی میں رائج زبان کا سہارا لے کر چودہ سو سال پہلے کے واقعات کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے اس وقت کے حالات، احساسات اور نفسیات کو پکڑنے کی کوشش بھی کی ہے۔ ساتھ ہی غیر مانوس محاوروں کا استعمال کر کے عصمت چغتائی نے شاید اس وقت کے ماحول سے واقفیت کرائی ہے۔ یہاں چند جملے پیش کیے جاتے ہیں جن پر توجہ کی درخواست ہے:

ا۔روم روم میں رقص جھومنے لگتا ہے۔(ص۱۶۱).

۲۔ دماغ آخر وقت تک برابر نشتر کی طرح چلتا رہا(ص۵۳)

۳۔ یہ معجزے دیکھے تم نے۔ حضرت امام حسین کے لیے معجزے کا لفظ (ص۱۹۳)

ابن سلا حضرت امام حسین کے لشکر کے لیے کہتا ہے:.

4. بس میرے جیالو بڑھ کر جنگ بدر میں مارے جانے والوں کا بدلہ لے لو۔"(ص۲۲۱)

5 .تراوٹ کی پریاں ناچ اٹھی تھیں .

6-لوبادشاہ نے تمھیں فواکہات بھیجے ہیں۔ وغیرہ

ناول کے بیانیہ میں عصمت چغتائی نے ہٹلر کی کتاب کا بے میل حوالہ کچھ اس طرح پیش کیا ہے:

"ہٹلر نے اپنی کتاب مائین کیمپ میں لکھا ہے کہ اگر پتھر پر مسلسل ایک بوند ٹپکتی رہے تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ پتھر میں گڈھا ہو جاتا ہے۔"

واقعہ کربلا پر مبنی ناول میں اس واقعہ کے کئی سو سال بعد لکھی گئی کتاب کا ذکر کرنا عصمت چغتائی جیسی مہان کلاکار، مورخ، ناول نگار کی زمہ داریوں کو نظر انداز کرنے کے مترادف ہو سکتا ہے ؟۔ سوال اٹھتا ہے کہ عصمت چغتائی جیسی کہنہ مشق مصنفہ کی تحریر میں اس طرح کی کوتاہیاں نظر آتی ہیں تو ان کا جواز کیا ہے ؟عصمت چغتائی کا شمار ان فکشن نگاروں میں ہوتا ہے جو تجربات اور مشاہدات کو محرک بنا کر فکشن لکھتی رہیں۔ انھوں نے کسی خاص لکیر پر چل کر بنا تاریخ کے مشاہدہ کے کوئی ناول کیسے لکھ دیا؟ بہر حال "ایک قطرۂ خون " ناول کو تاریخی ناول تو نہیں کہا جا سکتا۔

حوالہ جات:

ا۔ عصمت چغتائی، ایک قطرۂ خون، نصرت پبلشرز لکھنؤ، ۱۹۹۹، ص ۲

۲۔ عصمت چغتائی، نقد کی کسوٹی پر، جمیل اختر، نیشنل اردو فاؤنڈیشن، ۲۰۰۱، ص ۷۶

۳۔ بحوالہ عبدالحلیم شرر کے ناول از علی احمد فاطمی ۔The Historical Novel by George Luches P-290

۴۔ عبدالحلیم شرر، ناول از علی احمد فاطمی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی، ص ۱۷۰

۵۔ ایضاً، ص ۱۷۲۔

☆☆☆☆☆